محترمہ جمیلہ شوکت

ابنِ عبدِ ربّہٗ

(۲)

ابنِ عبدِ ربّہٗ بحیثیت شاعر

ابنِ عبدِ ربّہٗ اندلس کے خلفائے بنی اُمیّہ کا امیر الشعراء تھا۔ چار خلفاء[1]، جن کا دورِ حکومت اس نے پایا، ان کی مدح سرائی میں مصروف رہا۔ ابنِ عبدِ ربّہٗ کے بہت کم اشعار ہم تک پہنچے ہیں۔ اگر اس کی شاعری کا وہ تمام ذخیرہ، جو بقول حمیدی بیس[2] جلدوں میں تھا، ہم تک پہنچتا تو یقیناً ابنِ عبدِ ربّہٗ کا مقام اس سے بلند تر ہوتا۔ وہ اشعار یا قصائد، جو ہمیں مختلف کتبِ ادب اور اس کی اپنی کتاب 'العقد' میں ملتے ہیں، تقریباً ۱۴۰۰ ہیں۔ اور یہ قلیل تعداد ہی اس بات کی ضامن ہے کہ وہ اپنے زمانے کا بہترین شاعر تھا۔ اس نے شاعری کی تمام اصناف مثلاً غزل، مرثیہ، مدح، ہجو، وصف نگاری وغیرہ میں خوب طبع آزمائی کی۔ اس کے خیالات اچھوتے اور بلند ہیں۔ اس کا ہر شعر اس چیز کا شاہد ہے کہ اسے عربی زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اس نے اپنے پیشرو شعرا کے طریق پر شاعری کی۔ خیالات میں قدرتی حسن، موضوعات میں تنوع، وسیع علم اور پھر ناقدانہ نظر و فکر اس کے محبوب جواہر پارے ہیں۔ وہ موسیقی جو اس کے اشعار میں کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے شعر کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہے۔ اس کی تشبیہات اور استعارے نہایت عمدہ اور نادر ہیں۔

ابن الخطیب کی روایت ہے کہ ولید الاندلسی نے جب حج کیا تو واپسی میں مصر ٹھہرا۔ یہاں

---

[1] محمد بن عبد الرحمان (۲۳۸ھ – ۲۷۳ھ) منذر بن محمد (۲۷۳ – ۲۷۵ھ)، عبداللہ (۲۷۵ – ۳۰۰ھ) اور عبد الرحمان بن محمد (۳۰۰ – ۳۵۰ھ) ~~[illegible]~~

جامع عمرو بن العاص میں مشرق کے وکٹر ہوگو (VICTOR HUGE) متنبی سے ملا۔ کچھ دیر تک مصروفِ گفتگو رہا۔ پھر متنبیؒ نے کہا کہ ہمیں اندلس کے خوش کلام شاعر (یعنی ابن عبدربہ) کا کلام تو سناؤ۔ چنانچہ ولید نے ابنِ عبدربہ کے یہ اشعار سنائے:

یا لؤلؤاً یسبی العقول انیقا ورشا بتقطیع القلوب رفیقا

ما ان رأیت ولا سمعت بمثلہ درّاً یعود من الحیاء عقیقا

۱۔ اے دلوں کو لوٹنے والے خوب صورت موتی اور دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں مہارت رکھنے والے غزال۔

۲۔ میں نے کبھی نہ ایسا موتی دیکھا نہ اس کے متعلق سنا جو شرم سے (اپنا رنگ بدل کر) عقیق بن جاتا ہے۔

جب متنبیؒ نے یہ اشعار سنے تو بہت خوش ہوا اور بولا: اے ابن عبدربہ "عراق تو تیرے پاس گھسٹ کر پہنچے گا[۱]"

متاخرین نے بھی ابنِ عبدربہ کی خوب مدح کی ہے۔ ابنِ خلکان کہتے ہیں ولہ دیوان شعر جید[۲]۔ صاحبِ یتیمہ اپنے خیالات ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں: شعرہ فی نہایۃ الجزالۃ والحلاوۃ وعلیہ رونق البلاغۃ والطلاوۃ۔[۳] فتح بن خاقان بھی اس کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ کہتے ہیں: وان لہ شعراً انتہی منتہاہ[۴]۔

ابن شرف القیروانی کہتے ہیں: "فاما ابن عبدربہ القرطبیؒ وان بعدت عنک دیارہ فقد قاربتنا، وقفنا علی اشعار صبوتہ الانیقۃ وتکفیرات توبتہ الصدوقۃ ومدائحہ المروانیۃ ومطاعنہ فی العباسیۃ وھو فی کل ذلک فارس معارس وطاعن مداعس[۵]"

وہ دوسرے شعرا کی گو تقلید کرتا ہے لیکن وہ اس تقلید میں اصل سے بڑھ جاتا ہے۔ اس کے اپنے اسلوبِ خاص اور طرزِ ادائیگی سے اس میں ایک نئی روح کروٹ لینے لگتی ہے اور اس طرح

۱؎ یاقوت ۲: ۷۱، مطمح ۵۱، مقری ۲: ۳۲۲

۲؎ ابن خلکان ۱: ۳۴ ۳؎ ثعالبی ۲: ۶۵

۴؎ مطمح ۵۱ ۵؎ رسائل البلغاء ۳۲۳

یہ عیب خوبی میں بدل جاتا ہے۔ اس کے اشعار اندلس کے افقِ ادب پر بآوازِ بلند دنیا کو یہ چیلنج دے رہے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اندلس عربی علوم کے مرکز بغداد سے دور ہے لیکن شعر اور نثر میں اس سے کسی طرح پیچھے نہیں۔[1]

مدح

ابنِ عبدِ ربہ نے مدحیہ قصائد میں نام پایا۔ وہ صرف خلفا ہی کو مستحقِ مدح نہیں ٹھہراتا بلکہ اہلِ علم اور امرا کو بھی اپنا موضوعِ مدح قرار دیتا ہے۔ اس نے "صاحب القبلہ" ابو عبیدہ کی مدح میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں۔[2] وہ اپنے مدحیہ قصائد میں ممدوح کی عاداتِ حسنہ اور خصائلِ حمیدہ کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی شجاعت اور سخاوت پر فخر کرتا ہے اور اس کے جود و سخا کو بارش اور سمندر سے تشبیہ دیتا ہے۔

خلیفہ عبدالرحمان بن محمد کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

یا ابن الخلائف ان ایام الغنی ۔۔۔ ابا ملک الغر التی اغنبنی

بنوالھا و سجالھا و تمالھا ۔۔۔ استقینذنی حتی لقد اروینی[3]

۱۔ اے خلفا کے بیٹے حقیقی خوشحالی کے دن تمہارا زمانہ خلافت ہے جس نے مجھے امیر بنادیا ہے۔

۲۔ اپنی بخششوں اور ہر معمولی اور بڑی چیز کے ساتھ، انھوں نے مجھے پلایا حتیٰ کہ خوب سیراب کردیا۔

گو وہ مدح میں طرزِ قدیم ہی کو اختیار کرتا ہے لیکن اس کا اسلوب اور اس کے خیالات کی بلندی اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ایک اور مقام پر کہتا ہے:

من یرتجی بعدك او یبتقی ۔۔۔ وفی یدیك الجود و الباس

ان عشت عاش الناس فی نعمة ۔۔۔ وان مت مات بك الناس[4]

۱۔ تیرے بعد کس سے امید کی جائے گی اور کس سے ڈرا جائے گا جب کہ تیرے ہی ہاتھوں میں سخاوت اور ہیبت ہے۔

---

[1] العقد ۱: ۳
[2] ابن الفرضی ۱: ۲۱۲ بعد
[3] ثعالبی ۲: ۵، العقد ۵: ۲۲۹
[4] العقد ۳: ۲۹۷، ثعالبی ۲: ۶۶

۲۔ اگر تو زندہ رہا تو لوگ خوش حال رہیں گے اور اگر تو وفات پا گیا تو لوگ بھی تیرے ساتھ مرجائیں گے۔ (یعنی بخشش کرنے والا کوئی نہیں رہے گا اور لوگ بھوک پیاس سے مرجائیں گے)

ایک اور جگہ ممدوح کو سخاوت پر ابھارتے ہوئے کہتا ہے:

وما الجود من یعطی اذا ما سألته ولکن من یعطی بغیر سؤال[۱]

سخاوت یہ نہیں کہ جب تجھ سے کوئی مانگتے تو تو دے دے بلکہ اصل میں سخاوت یہ ہے کہ جو بغیر مانگے دے۔

ہجا

وستنفلٹ کا کہنا ہے کہ ابن عبدربہ ہجا میں ممتاز تھے[۲] اس کی ہجو بڑی سخت لیکن ملیح ہوتی ہے۔ وہ دوسرے شعرا کی طرح سوقیانہ ہجو نہیں کرتا بلکہ بڑے سلجھے ہوئے انداز میں اپنے مدِمقابل پر طنز کرتا ہے۔ ایک دفعہ ابن عبدربہ نے بادشاہ کے کسی درباری سے ایک قیدی رہا کرنے کے بارے میں سفارش کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے فوراً طنزیہ اشعار لکھ دیے[۳]

العقد الفرید۔ میں خود اس نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی شخص نے اسے کتاب دینے کا وعدہ کیا لیکن اس نے وعدہ خلافی کی لہذا ابن عبدربہ نے اس کی ہجو کر ڈالی جس کا مطلع حسبِ ذیل ہے:

صحیفۃ افنیت لیت بھا وعسیٰ عنوانھا راحۃ الرّاجی اذا یئسا[۴]

ایک کتاب جو ضائع کردی گئی کاش کہ وہ حاصل ہو جاتی لیکن اس کا عنوان اس امید کرنے والے کے لیے باعث تسلی تھا جب کہ وہ ناامید ہو جائے۔

وہ واقعہ[۵] جو اس کے اور اس کے بھتیجے ابوعثمان کے درمیان پیش آیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑی چبھتی ہوئی ہجو کرتا ہے۔

---

[۱] یتیمۃ الدہر ۲: ۶۶
[۲] بروایت جبرائیل جبور۔ ۱۳۰
[۳] العقد ۱: ۱۸۴
[۴] العقد ۲: ۱۸۵
[۵] ابن ساعد۔ ۷۹

مرثیہ نگاری

ابن عبدربہ نے مرثیے صرف رشتہ داروں کے کہے ہیں اس کے مرثیے گہرے غم و یاس کے غماز اور نہایت موثر اور درد انگیز ہیں،

بليت عظامك والأسى يتجدد والصبر ينفد والبكاء لا ينفد
يا غائبا لا يرتجى لا يابه ولقائه دون القيامة موعد[1]

۱۔ تیری ہڈیاں بوسیدہ ہوگئی ہیں لیکن میرا غم برابر نیا ہوتا رہتا ہے۔ صبر ختم ہوگیا لیکن رونا ختم نہیں ہوتا۔

۲۔ اے وہ شخص جو مرگیا ہے، اس کے لوٹ آنے کی کوئی امید نہیں ہے اور اس کا وعدہ قیامت سے کچھ پہلے ملنے کا ہے۔

ایک اور جگہ کہتا ہے:

لا بيت يسكن الا فارق السكنا ولا امتلا فرحا الا امتلاء حزنا[2]

کوئی گھر آباد نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کے رہنے والے جدا ہو جاتے ہیں اور کوئی گھر خوشی سے معمور نہیں ہونے پاتا کہ وہ غم سے معمور ہو جاتا ہے۔

غزل

ابن عبدربہ نے غزل میں کثرت سے طبع آزمائی کی۔ اس کے غزلیہ اشعار بڑے عمدہ اور لطیف ہیں اور اس کا انداز بیان بڑا پرزور اور احساسات بڑے قوی ہیں۔ غزل میں اس کے یہ اشعار بہترین سمجھے جاتے ہیں

صحا القلب الا خطرة تبعث الأسى لها زفرة موصولة بحنين
بلى ربما حلت عرى عزماته سوالف آرام واعين عين[3]

۱۔ دل ہوش میں آگیا لیکن ابھی ایک احساس ہے جو غم کو ابھارتا ہے اور ایک پیہم آہ ہے جس کے ساتھ

---

[1] العقد ۳: ۱۸۲ - یتیمۃ الدہر ۲- ۶۷
[2] العقد ۳: ۱۸۳ - یتیمہ - ۲: ۶۸
[3] العقد ۶: ۲۱۰

ایک شدید خواہش ہے۔

۲۔ یہی نہیں بلکہ بسا اوقات اس کے مضبوط ارادوں کی گرہوں کو سفید ہرنیوں کی گردنوں کے پہلوؤں اور بڑی آنکھوں والی گابیوں نے ڈھیلا کردیا۔

ایک اور جگہ فراق کے بارے میں کہتا ہے:

ودّعتنی بزفرة و اعتناق — ثم نادت متی یکون التلاقی[1]

وہ محبوبہ سسکیاں بھرتے ہوئے مجھ سے رخصت ہوئی اور پھر بآواز بلند یہ کہا کہ اب ملاقات کب ہوگی۔

ایک دفعہ ابن عبدربہ کو اپنے محبوب کے کوچ کرنے کا علم ہوتا ہے تو وہ بہت غمگین ہوتا ہے۔ اتفاق سے بارش ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے اسے سفر ملتوی کرنا پڑتا ہے۔ اس موقعہ پر وہ یہ اشعار کہتا ہے:

هلّا ابتكرت لبين انت مبتكر — هيهات يأبى عليك الله والقدر

ما زلت ابكي حذر البين ملتهبا — حتى رثا لي فيك الريح والمطر[2]

۱۔ صبح سویرے ہی کیوں نہ بیدار ہوگیا اس جدائی کے لیے جو تجھے صبح ہی کرنی تھی۔ افسوس کہ اللہ اور تقدیر تجھے اس کی اجازت نہ دیتے تھے۔

۲۔ میں جدائی کے خوف سے برابر روتا رہا۔ یہاں تک کہ تیرے معاملے میں ہوا اور بارش کو بھی مجھ پر ترس آگیا۔

وصف نگاری

ابن عبدربہ کو وصف نگاری میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ قدرتی مناظر، جنگ و جدال، سامان حرب، گھوڑوں وغیرہ کی نہایت عمدہ تصویر کشی کرتا ہے اور پھر اس کے خوبصورت استعارے شعر کو اور زیادہ لطیف بنادیتے ہیں۔ باغ کی تعریف میں اس نے جو اشعار کہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

---

[1] مطمح ۵۲ - ابن خلکان ۱: ۳۴ - یتیمہ ۱: ۴۰۰ لیکن غلطی سے اشعار حبیب بن احمد کی طرف منسوب ہیں۔ العقد ۶: ۲۲۳

[2] المقری ۲: ۲۶۶ - الضبی ۱۳۸ - مطمح ۵۱

وماردمنة بالحزن حاك لها الندى بروداً من الموشي حمر الشقائق
يقيم الدجى اعناقها و يميلها شعاع الضحى المستن فی کل شارق[1]

۱۔ اس سخت زمین میں کتنا خوبصورت باغ ہے جس کے لیے شبنم کے پھول دار کپڑے کو سرخ سوسن کے پھولوں سے بُنا ہے۔

۲۔ تاریکی اس کی گردنوں کو سیدھا کر دیتی ہے لیکن دوپہر کی تیز شعاعیں انھیں ہر صبح جھکا دیتی ہیں۔

فوج کو سمندر کی لہروں سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے:

وجیش كظهر اليم تنفحه الصبا يعب عباباً من قنا و قنابل[2]

تیروں اور سواروں کا ایک لشکر ہے جو اتار چڑھاؤ میں سطح سمندر کی طرح معلوم ہوتا ہے جس سے صبح کی ہوا اٹھکیلیاں کرتی ہو۔

تلوار کے بارے میں کہتا ہے:

بكل مأثور على متنه مثل مدب النمل بالقاع
يرتد طرف العين من حده عن كوكب للموت لماع[3]

۱۔ ہر جوہر دار تلوار جس کی پشت پر ایسی لکیریں ہیں جیسی کہ نرم زمین پر چیونٹیوں کے رینگنے سے پڑ جاتی ہیں۔

۲۔ اس کی تیزی سے آنکھ اس طرح واپس لوٹتی ہے جیسے کہ موت کے چمکدار ستارے سے۔

زہد

ابن عبدربہ کو زمانۂ شباب میں غزل گوئی میں کمال حاصل تھا لیکن زندگی کے آخری ایام میں اس نے زہد و تقویٰ کو اپنی شاعری کا موضوع بنا لیا تھا اس طرح اس نے اپنے ان اشعار سے اس بے راہ روِ زندگی کے داغ کو دھونا چاہا جو اس نے زمانۂ شباب میں گزاری تھی۔ جوانی میں کہتا ہے:

هلا ابتكرت لبين انت مبتكر[4]

---

۱ العقد ۶ : ۲۳۲
۲ العقد ۱ : ۸۰
۳ العقد ۱ : ۸۲
۴ ضبی ۱۳۷ - المقری ۲ : ۲۶۶

بڑھاپے میں اسی وزن اور قافیے میں یہ اشعار کہے :

یا قادراً لیس یعفو حین یقتدر ماذا الذی بعد شیب الرأس تنتظر

انت المقول لہ ما قلت مبتدئاً ھلا ابتکرت لبین انت مبتکر[۱]

۱۔ اے وہ قدرت رکھنے والے کہ جو معاف نہیں کرتا جب تجھے قدرت حاصل ہوتی ہے۔ میرے سر کے بال سفید ہو جانے کے بعد تو کس چیز کا منتظر ہے۔

۲۔ تو ہی وہ ہے جس کے بارے میں میں نے شروع میں کہا تھا۔ ھلا ابتکرت الخ

مذہب جیسے ابن عبد ربہ زمانۂ شباب میں فراموش کر چکا تھا، پھر وہ اس سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ وہ اشیا کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس مختصر سے عرصے کی شاعری حکمت و عظمت سے مملو نظر آتی ہے لیکن لطافت و سلاست وہی ہے جو ابتدائی دور میں تھی۔ مگر کسی قدر تکلف کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ سابقہ گناہوں کے لیے خلوص دل سے بارگاہِ ایزدی سے یوں بخشش کا طالب ہوتا ہے۔

یا رب غفرا نک عن مذنب اسرف الا انہ نادم[۲]

اے خدا تو اس گناہ گار کو معاف کر دے جو حد سے بڑھ گیا تھا۔ لیکن اب نادم ہے۔

وہ دنیا کی ناپائیداری اور مصائب کا بھی شکوہ کرتا نظر آتا ہے :

الا انما الدنیا غضارۃ ایکۃ اذا اخضر منہا جانب جف جانب

ھی الدار ما الامال الا فجائع علیہا ولا اللذات الا مصائب[۳]

۱۔ دیکھو! دنیا درختوں کے جھنڈ کی تر و تازگی کی طرح ہے کہ جب اس کا ایک جانب سرسبز ہوتا ہے تو دوسرا خشک ہو جاتا ہے۔

۲۔ یہ (دنیا) ایک گھر ہے جہاں امیدیں مصائب ہیں اور خوشیاں محض تکالیف۔ وہ مخاطب کو طلبِ مغفرت پر بھی ابھارتا ہے[۴] اور اسے عمدہ صفات اور اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے پر اکساتا ہے[۵]

۱۔ مطمح ۵۳ - یاقوت ۲ : ۴۶ ۲۔ العقد ۳ : ۱۱۷

۳۔ العقد ۳ : ۱۱۰ - المغنی ۱۳۹ ۴۔ العقد ۳ : ۱۱۹ ۵۔ العقد ۱ : ۱۵۸

ابنِ عبدِ ربہٖ بڑھاپے کے بارے میں کہتا ہے:

نجوم فی المفارق لہا تغور ولا یجری بہا فلک یدور[۱]

مانگ میں جو ستارے ہیں وہ کبھی غروب نہیں ہوتے اور نہ ان کے ساتھ گردش کرنے والا آسمان گردش ہی کرتا ہے

ابنِ عبدِ ربہٖ زندگی کے آخری ایام تک شعر کہتا رہا آخری اشعار جو اس نے کہے - وہ اس کی موت سے گیارہ روز قبل کے ہیں[۲]

تشبیہات

ابنِ عبدِ ربہٖ کی تشبیہات نہایت اچھوتی اور عمدہ ہوتی ہیں اس نے تشبیہات میں متقدمین کے اتباع کے ساتھ جدت بھی پیدا کی ہے - اس کے اس شعر میں بڑی خوبصورت تشبیہ ہے:

بیضاء یحمر خداہا اذا خجلت کما جری ذہب فی صفحتی ورق[۳]

وہ سفید رنگ کی عورت جب شرماتی ہے تو اس کے رخسار سرخ ہوجاتے ہیں اور ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ چاندی کے طشت کے دونوں اطراف میں سونا بہہ رہا ہے

اس شعر میں بھی بڑی لطیف تشبیہ ہے:

ما ان رأیت ولا سمعت بمثلہ درّا یعود من الحیاء عقیقا[۴]

میں نے اس جیسا موتی نہ دیکھا اور نہ اس کے متعلق سنا جو شرم کی وجہ سے عقیق بن جاتا ہے -

بیانیہ شاعری

ابنِ عبدِ ربہٖ کو بیانیہ شاعری میں بھی ملکہ حاصل تھا گو اس سے پہلے عبداللہ بن معتز[۵] (م ۲۹۶ھ) نے بھی اس طرز پر اشعار کہے تھے لیکن وہ زیادہ طویل نہ تھے - ابنِ عبدِ ربہٖ

---

۱ العقد ۲ : ۳۲۱ ۲ مطمح ۵۳ - یاقوت ۲ : ۶۹

۳ العقد ۷ : ۱۰۹ ۴ العقد ۷ : ۱۰۹

۵ عبداللہ بن معتز اور ابن عبد ربہ کے ارجوزوں کا مطلع یوں ہے:

الحمد للہ علی آلائہ احمدہ والحمد من نعمائہ (دیوان ابن المعتز)

فالحمد للہ علی اغمایہ حمداً اجزیلاً علی نعمائہ (العقد ۵ - ۲۲۵)

نے عبدالرحمان الناصر کے عہد کی تاریخ ایک ارجوزہ میں قلم بند کی لیکن اس کی یہ شاعری موضوع کی خشکی، خیال کی کمزوری اور رزمیہ شاعری کے اصولوں سے دوری کی بنا پر بیانیہ شاعری سے زیادہ معلمانہ و ناصحانہ شاعری کی حیثیت رکھتی ہے[1] اس کا یہ طویل ارجوزہ العقد میں پھیلا ہوا ہے[2]

موشحات

ابنِ عبدربہ نے موشحہ کے طرز پر لوک گیت بھی لکھے۔ بقول علامہ ابن خلدون اس فن کا موجد مقدم بن معافر القریری تھا جو امیر عبداللہ بن محمد المروانی کے دور کا نامور شاعر تھا۔ ابن عبدربہ نے اس سے یہ فن سیکھا لیکن افسوس دونوں میں سے کسی کا موشح ہم تک نہیں پہنچ سکا[3] شاعری کی یہ صنف اندلس اور مشرق میں نہایت مقبول ہوئی۔

(باقی آئندہ)

---

[1] زیات، ۳۱۸ [2] العقد - ۵: ۲۲۵ - ۲۲۶

[3] مقدمہ ابنِ خلدون، ۵۸۴

سیّد امیر علی : شاہد حسین رزاقی

سیّد امیر علی اپنے عہد کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ اسلامی ہند کی نشاۂ ثانیہ کے کارفرماؤں میں ان کا ایک بلند مقام ہے۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ سیاست دان بھی تھے، ایک روشن خیال مفکر بھی، اور مصنف کی حیثیت سے تو ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ قانون اسلامی میں بھی ان کی نظر بڑی گہری تھی مسلمانان پاک وہند کے قومی حقوق کے لیے گزشتہ صدی کے اواخر میں جب آئینی جدوجہد شروع ہوئی تو اس میں وہ پیش پیش تھے اور اس سلسلہ میں انھوں نے بیش بہا خدمات انجام دیں مسلمان ملکوں کے دفاع اور خلافتِ عثمانیہ کو مغربی یلغار سے بچانے میں بھی آپ برابر کوشاں رہے۔ اس کتاب میں سید امیر علی کی شخصیت کے ان تمام پہلوؤں کو شرح و بسط سے پیش کیا گیا ہے۔

صفحات : ۳۰۹ قیمت : ۸ روپے

ملنے کا پتہ : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور